سلسلۂ نباتاتِ قرآن

شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ

احمد الدین مارہروی

سید قاسم محمود صاحب کے قلم سے ''سلسلۂ نباتاتِ قرآن'' کے ضمن میں گزشتہ شمارے میں ''یقطین'' کے بارے میں مضمون شائع ہوا تھا۔ اس بارے میں پروفیسر احمد الدین مارہروی مرحوم کی تحقیق سطورِ ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔ یہ مضمون اگرچہ حکمت قرآن میں چند سال پہلے شائع ہو چکا ہے' لیکن اب اس کی مکرر اشاعت قارئین کے لیے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگی۔ (ادارہ)

قرآن حکیم کی سورۃ الصّٰفّٰت میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾﴾

''اور تحقیق یونس پیغمبروں میں تھے۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے۔ پھر جب قرعہ ڈالنے والوں میں شریک ہوئے تو انہی کا نام نکلا۔ پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے کو ملامت کرنے لگے۔ اور اگر وہ خدا کے نام کی تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے۔ تو ہم نے انہیں ایک چٹیل جگہ پر ڈال دیا اور اُس وقت اُن کی حالت بڑی سقیم تھی۔ اور وہاں ہم نے یقطین کا ایک پودا اُگا دیا۔''

حضرت یونس علیہ السلام کو جس قوم کی رشد و ہدایت کا فریضہ سپرد ہوا تھا اس کے متعلق جدید تحقیقات سے واضح ہو چکا ہے کہ عراق کے مشرقی علاقے میں آباد تھی۔ اس لیے کشتی میں سوار ہونے' مچھلی کے نگلنے اور پھر انہیں قرب و جوار ہی میں کہیں چٹیل اور بے آب و گیاہ ساحل پر اگل دینے کا واقعہ پیش آیا ہوگا۔ اور اس بات کی بھی تحقیق ہوگئی ہے کہ جس مچھلی کا اس مقام پر

ذکر کیا گیا ہے وہ وہیل تھی اور میرا خیال ہے کہ بلین (Bleen) قسم کی ہوگی' جس کے دانت نہیں ہوتے' بلکہ اوپر کے جبڑے یا تالو میں چھلنی کی طرح کا ایک پردہ لٹکتا رہتا ہے۔ چھوٹی غذا اس میں سے چھن کر اندر جاتی ہے اور بڑی غذا (جیسے کہ انسانی جسم) کو نگلتے وقت چھلنی ایک طرف ہٹ جاتی ہے اور شکار بلا چبائے اندر چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کا ہضم کرنا اس کے لیے آسان نہیں ہوتا۔ بالعموم یا تو وہ اسے اگل دیتی ہے یا مر جاتی ہے۔ چنانچہ دونوں قسم کے واقعات مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام جب اُس کے پیٹ میں گئے تو وہ انہیں جزوِ بدن نہ بنا سکی۔ ساتھ ہی انہوں نے خدا تعالیٰ سے دعا اور استغفار کی' جس کا ذکر سورۃ الانبیاء کی آیات ۸۷'۸۸ میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿..... فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ﴾

''..... آخر کار انہوں نے (سمندر اور وہیل کے پیٹ کی) تاریکیوں میں سے پکارا کہ تیرے سوا کوئی حاجت روا نہیں ہے' تو پاک ہے اور میں ہی گناہگاروں میں سے ہوں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی۔''

اور نتیجتاً وہیل نے انہیں ایک ایسے کنارے پر لے جا کر اُگل دیا جو ایک چٹیل ساحل تھا۔ اور وہاں خدا تعالیٰ نے کمالِ شفقت و مہربانی سے ایک نئے قسم کا شجر (پودا) اُگا دیا' جس کو ''یقطین'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لیکن ادنیٰ تفکر سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ یقطین کی کوئی خاص قسم تھی۔

ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کی آیات اور اُس کی حکمتوں پر غور کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو ذہن اس سوال کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ اُس وقت حضرت یونس علیہ السلام کی کیا حالت تھی اور اُن کو کن اشیاء کی ضرورت رہی ہوگی۔

پہلی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے اور ابکائیاں لے کر اگلنے کے بعد ان کی کھال جگہ جگہ سے ادھڑ گئی ہوگی' اس میں زخم پڑ گئے ہوں گے' جن پر مکھیوں کے بیٹھنے اور ستانے اور ان میں زہریلے جراثیم کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے سخت اذیت کا سامنا ہوا ہوگا۔ دوسرے اس حالت میں سخت اور سنگلاخ زمین پر لیٹے رہنا تکلیف کا باعث ہوتا ہوگا' اور کروٹ لینے سے زخموں میں رگڑ لگتی ہوگی۔ پھر دھوپ کی تپش اوّل تو ویسے ہی تکلیف دہ ہوتی ہے اور زخموں میں تو آفتاب کی کرنیں تیر و نشتر بن کر چبھتی ہوں گی۔ اس کے علاوہ کھانے پینے

کے لیے غذا اور پانی کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے ان جملہ ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہاں یہ مخصوص پودا اُگا دیا۔ لیکن اس یقطین کا ادراک اور اسے صحیح طور پر سمجھنا دور بیٹھے ہوئے مترجمین اور مفسرین کے لیے آسان ثابت نہ ہو سکا۔

عام طور پر اس کا ترجمہ ''کدو کا پیڑ'' کیا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے اسے ''ایک درخت بیل والا یعنی کدو'' کہا ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے کدو کا لفظ حذف کر دیا ہے۔ مارماڈیوک پکتھال نے ''لوکی کا درخت'' لکھا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی شاہ صاحب ہی کا اتباع کیا ہے۔

میں خود اس کے متعلق عرصہ تک مذبذب رہا' حتیٰ کہ پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا اور مجھے بحیثیت ناظم تعلیمات تین سال تک مکران میں قیام کرنے اور گھوم پھر کر اس تمام علاقے کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اہل مکران کی زبان مسخ شدہ فارسی ہے' لیکن اس میں دوسری زبانوں بالخصوص عربی کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ پنجابی اور انگریزی کے لفظ بھی شامل ہو گئے۔ بلیدہ میں ایک نیا لفظ ''اگین'' (ا۔گ۔ی۔ن) سننے میں آیا جو ایک خاص قسم کی گول لوکی کے واسطے استعمال ہوتا ہے جو تربوز کے برابر ہوتی ہے۔ ظاہری طور پر تو یہ لوکی ہی ہوتی ہے' لیکن اس کا مزا ککڑی سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اس میں شیرینی بھی ہوتی ہے اور پانی کا جزو تو بہت ہی زیادہ ہوتا ہے۔ چھلکا بھی اتنا نرم اور لذیذ ہوتا ہے کہ بآسانی کھا لیا جائے۔ ہمیں تو اسے بجائے پکانے کے کچا کھانے میں زیادہ لطف آتا تھا۔ ایک روز یکا یک خیال آیا کہ کہیں یہی تو وہ پودا نہیں جو خدا تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے واسطے اس چٹیل میدان میں پیدا کیا تھا اور جس کا ذکر اوپر کی آیات میں کیا جا چکا ہے۔ لفظ اَگین کی ساخت پر غور کیا تو ایسا نظر آیا کہ ''ق'' کا تلفظ تو موجودہ عربی کی طرح ''گ'' میں تبدیل ہو گیا۔ ''ی'' الف (ا) سے بدل گئی اور ''ط'' کثرتِ استعمال سے حذف ہو گیا۔ اس طرح ''یقطین'' نے ''اَگین'' کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے بعد یہ جستجو ہوئی کہ نجانے اس کا پودا کس ماحول میں نشوونما پاتا ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں۔ خوش قسمتی سے مکران کے صدر مقام تربت میں حکومت پاکستان کے شعبۂ تحفظ پودا جات (Plant Protection) کا بھی ایک دفتر ہے' اس سے بھی اس سلسلہ میں رابطہ قائم کیا گیا۔ پتا چلا کہ ساحلی علاقوں میں خود رَو اُگا کرتا تھا' لیکن اب جو بازار میں اس کی مانگ بڑھی تو کاشت کاروں نے کھیتوں میں بھی بونا شروع کر دیا ہے۔

مکران کا ساحل طبعی طور پر ساحلِ عراق سے مشابہ ہے۔ اس کے قریب مچھلیوں کی بڑی کثرت ہے' جو قدیم الایام سے اس علاقہ کے لوگوں کی خوراک اور ذریعہ آمدنی ہے۔ چنانچہ پَسنی اور گوادر کی بندرگاہوں کو ماہی گیروں کی جنت کہا جاتا ہے' اور انہی علاقوں میں اَگین کی پیداوار ہوتی ہے۔ ہم نے ان مقامات کا بچشم خود مشاہدہ کیا۔ جگہ جگہ مچھلیوں کی گلی سڑی ہڈیوں اور کانٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے' جن پر یہ پودا اُگتا ہے' اور خوب نشوونما پاتا ہے۔ غلاظت کے یہ انبار بہت اعلیٰ قسم کی کھاد کا کام دیتے ہیں اور سمندر کے بخارات سے پیدا ہونے والی شبنم نیچے گر کر اُن کی آبیاری کرتی ہے۔ بیل دُور دُور تک پھیلی ہوتی ہے جس کے اندر بیک وقت ایک نہیں دو چار انسان اپنے آپ کو بخوبی چھپا سکتے ہیں۔ پتے نہایت چکنے اور ملائم ہوتے ہیں' جو نیچے نرم و نازک گدوں اور اوپر اوڑھنے کے لیے ریشمی چادر کا کام دیتے ہیں۔ تری اور خشکی اتنی ہوتی ہے کہ آفتاب کی کرنیں اندر چھپے ہوئے انسان کو تکلیف نہیں دے سکتیں۔ اس کا پھل' جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے' ککڑی کی طرح نہایت لذیذ' میٹھا' سبک اور ہاضم ہوتا ہے اور مریضوں کے لیے بڑی اچھی غذا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اندر رطوبت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ پانی نہ بھی میسر آئے تب بھی پیاس نہیں لگتی۔

ایک عجیب بات جس نے ہم سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا' یہ تھی کہ کھلے ساحل پر دھوپ میں جہاں مچھلی پڑی ہوئی ہوتی ہے' وہاں کیڑے مکوڑوں اور مکھیوں کی بڑی افراط ہوتی ہے' لیکن اس پودے کے قریب دُور دُور تک ان میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ محکمہ پودا جات نے اس معاملہ میں میری بڑی مدد کی۔ ان کے افسروں نے اس کے پتوں اور ڈنٹھلوں کا کیمیاوی تجزیہ کر کے پتا لگایا کہ اس کی رگ و پے میں جو عرق دوڑتا پھرتا ہے اس کے اندر ایک کیمیاوی مادّہ شامل ہے جو حشرات الارض کے واسطے مہلک بھی ہے اور اس کی بو اُن کو ناگوار بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ادنیٰ کیڑے تو درکنار سانپ بچھو بھی اس طرف کا رُخ کرنے سے کتراتے ہیں۔

قرآن مجید جس کا محض پڑھ لینا لوگ باعثِ ثواب و برکت اور اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں' دراصل علم و حکمت کا ایک بحرِ زخار ہے جس میں خود صاحب کلام ہی کو علم ہے کہ کتنے گوہر آبدار پوشیدہ ہیں اور اُن کی دریافت کے لیے کتنی گہرائی تک غواصی کرنے کی ضرورت ہے۔ علماء و مفسرین اور محققین چودہ سو برس سے اسی تگ و دَو میں مصروف ہیں اور انہوں نے دنیا کو بے شمار صدف گوہر دار فراہم کیے ہیں' لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس لامتناہی خزانہ کا کتنا حصہ

(باقی صفحہ 60 پر)